# برصغیر پاک وہند میں تفسیری ادب کا اجمالی جائزہ

سید عطا الرحمن آغا[1]

Tafsir is a branch of knowledge related to the interpretation and understanding of the Quran. From the very beginning of Islamic teaching in Macca, the prophet focused greatest attention on the study of the Quran and Tafsir since it was the means to understand Allah's message. The 20th century however, saw the advent of various books of Interpretation of the holly Quran authored by Islamic scholars in their attempt to resuscitate Muslim society to be in line with the Islamic divine teachings. They believed that the Quran was the only solution to their current social problems. Tafsir Quranic exegesis was thus aimed at elaborating the Quranic principles of law and urging the Muslim Umma to apply them to daily life.

This study will examine the historical development of tafsir science not only the early Islam of the 7th century but also in modern age and Tafsir in Pakistan.

**حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور برصغیر میں تفسیر**

**برصغیر میں امام شاہ ولی اللہؒ کا مقام بطور مفسر کے**

**1۔ تفسیر میں شاہ صاحبؒ کامقام**

شاہ ولی اللہؒ کا شمار ان علمی حضرات کی فہرست میں ہوتا ہے جن کا تفسیری ادب میں ایک نمایاں مقام تسلیم کیا جا چکا ہے ۔ آپؒ نے تفسیر و علم تفسیر میں ایسے پہلوؤں کو اجاگر فرمایا جو اس وقت کے عصری تقاضوں سے مطابقت و موافقت رکھتی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ ایک اس میدان میں مستقبل کے اہداف کا تعین بھی کرتی ہے ۔ انہوں نے قرآن فہمی کے لیے جو اصول وضع فرمائے وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے نرالے اور جدید ہیں ۔ جس دور میں امام شاہ اللہ محدث دہلویؒ گذرے ہیں وہ دور جہالت و خود غرضی کے دور سے مشہور ہے ۔ جس میں لوگ مذہب کی تعلیمات اور اخلاق سے کوسوں دور ہٹ چکے تھے ۔ آپ کے تفسیری افکار پر اس دور کے گہرے نقوش مرتب ہوئے ہیں آپ کے افکار پر اس دور کے نمایاں اثرات نظرآتے ہیں ۔ جن کا اندازہ آپ کی لڑیچر سے لگایا جاسکتا ہے ۔

شاہ ولی اللہؒ مسائل میں غور وفکر کے حوالے سے یہ منہج رکھتے تھے کہ وہ پہلے کسی بھی زیر غور مسئلہ میں قرآن و حدیث کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اس کے بعد ازاں اس کو فقہاء کی آراء کی روشنی میں پرکھتے تھے ۔ کسی بھی مسئلہ کے رد وقبولیت میں اسی اصول کو مدنظر رکھتے تھے۔ اس ضمن میں مقدمہ فتح الرحمن میں کچھ یوں تصریح فرمائی گئی ہے :

> "امام شاہ ولی اللہؒ کا مسلک یہ ہے کہ وہ زیر بحث مسائل کو پہلے قرآن وحدیث کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اس کے بعد ان کے متعلق فقہاء کے اقوال و آراء کو کتاب و سنت کی روشنی میں جانچتے ہیں ۔ فقہی اقوال جو ان دونوں سے موافقت

---

[1]لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ الحمد اسلامک یونیورسٹی

رکھتے ہیں ان کو قبول کرتے ہیں اور جو ان کے خلاف ہوتے ہیں ان کو رد کرتے ہیں -"(1)

شاہ ولی اللہ رحم اللہ کو قرآن حکیم سے انتہاء درجے کا شغف و علاقہ تھا۔ آپؒ بچپن ہی سے قرآن حکیم سے تعلق رکھتے تھےجس کو آپؒ نے اپنی ذات پر اللہ کا خاص انعام قرار دیا تھا ۔ اس شغف و تعلق کی وجہ آپؒ کے والد صاحب کی تعلیم و تربیت تھی ۔الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند میں شاہ صاحبؒ کی قرآن حکیم سے گہری وابستگی کو درج ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ۔

" ہمیشہ تلاوت قرآن میں مشغول رہتے ، بجز عذ ر کے اور انتہائی خوش الہانی اور تجوید و قرآت کی رعایت کے ساتھ تلاوت کرتے اور اکثر دوستوں کے حلقہ میں تلاوت کے علاوہ دو تین رکوع معانی قرآن کے بیان اور تدبر کے ساتھ پڑھتے -"(2)

آپؒ کے متعلق انفاس العارفین میں کچھ یوں تبصرہ فرمایا گیا ہے جس کا مفہوم ذیل میں بیان کیا جارہا ہے :

" شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا ان پر خاص انعام ہے اور وہ یہ ہے کہ انہیں قرآن حکیم کا فہم عطا ہوا ہے۔ اور یہ کہ قرن اول نے قرن ثانی تک قرآن پہنچایا اس طرح درجہ بدرجہ اس خاکسار کو بھی اس کی روایت اور درایت سے حصہ ملا"۔(3)

مذکورہ بالا تصریحات سے امام شاہ ولی اللہؒ کی قرآن حکیم سے محبت اور شغف کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔ جس سے امام شاہ ولیؒ کا تفسیر میں مقام واضح ہوتاہے کہ آپؒ تفسیر میں ایک امتیازی شان کے حامل اپنے دور میں رہے اور جو عمیق مطالعہ اللہ رب العزت نے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو دیا جو روموز و اشارات قرآن عظیم الشان کے پردے اللہ رب العزت نے شاہ صاحبؒ پر کھولے ہیں وہ برصغیر پاک وہند میں کسی پر بھی نہیں کھولے ۔ جس کی خاص مثال مذکورہ بالا عبارات میں دی جا چکی ہے ۔

**2۔ شاہ صاحبؒ کی تفسیر میں زوایہ نگا ہ کے اثرات :**

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا زمانہ سیاسی انتشار کا زمانہ تھا ۔ افراتفری نے زندگی کے جملہ پہلوؤ ں کو متاثر کرکے رکھا ہوا تھا ۔ ہندوانہ رسوم و رواجات نے اسلامی تہذیب پر گہرے نقوش ثبت کر دیئے تھے ۔ شاہ صاحب کے تفسیری رجحانات پر اس عہد کے گہر ے نقوش نظر آتے ہیں ۔ آپؒ نے مشرکانہ رسوم و رواجات کا رد کیا اور اس کے ساتھ ساتھ فن تفسیر میں علوم پنجگانہ متعارف کروائے ۔ جن کا دائرہ تفسیر کے باب میں کافی حد تک وسعت کا حامل ہے جو اپنے اندر عصر حاضر کے مسائل کو بھی سموئے ہوئے ہے ۔

شاہ صاحب کی قرآنی خدمات بڑی وقیع اور بے نظیر ہیں اپنے علمی پیاس بجھانے کے لیے نہیں بلکہ کتاب ہدایت کی ترویج و اشاعت کے لئے اور امت کو از سر نو قرآن کی بنیادوں پر کھڑی کرنے کے لئے جامع منصوبہ بند طریقہ پر کام کا آغاز کیا، یہ شاہ صاحبؒ ہی کی تحریک اور رہنمائی تھی ، سماجی حوالے سے دیکھا جائے تو اس مہم کے تین نمایاں پہلو ہیں ۔

1۔ مہلک رسوم و رواج اور مشرکانہ عقائد و خیالات کی عام وبا کے لئے قرآن پاک کو موثر علاج کی حیثیت سے متعارف کرانا۔

2۔ دوسرے یہ کہ قانون اور شرعیت کی اساس اور سرچشمہ اول کی حیثیت سے قرآن پاک کو پیش کرنا۔ کہ زندگی کے تفصیلی معاملات میں وہی مرجع اور قول فیصل قرار پائے۔

3۔ یہ احساس پیدا کرنا کہ جب لوگ قرآن کی طرف رجوع کریں گے تو ان کی علمی ، ذہنی اور فکری سطح بھی حسب استفادہ بلند ہوتی چلی جائے گی اور علم و فکر کا منبع ان کے ہاتھ آجائے گا۔

شاہ صاحب تفسیر قرآن کے متعلق امتیازی افکار کے مالک تھے آپؒ کے امتیاز افکار کا خاکہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے ۔ جس کی تفصیل بھی مناسب موقع پر کیا جائے گی ۔

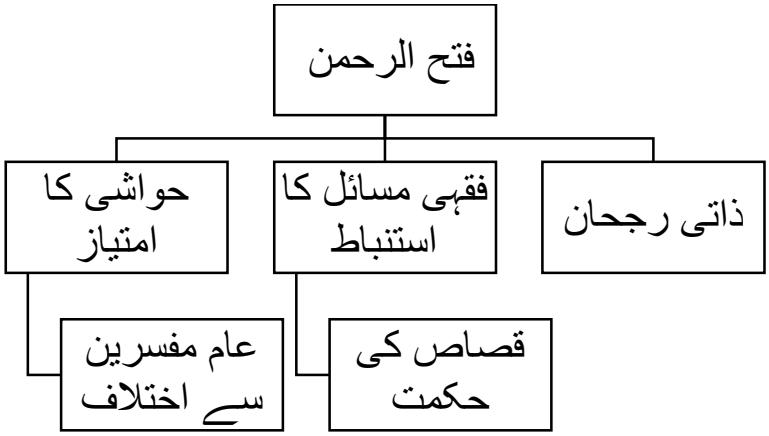


**تفسیر بالماثور**

تفسیر بالماثور چونکہ تفسیر قرآن کے اولین اور بنیادی اسلوب ہے برصغیر میں بھی تفسیر کا یہ منہج وسیع پیمانے پر رائج رہا ہے ۔ اس اسلوب کے تحت بے شمار تفاسیر لکھی جا چکی ہیں ۔ علمائے کرام نے اس منہج کے تحت مختلف ادوار میں تفاسیر لکھی ہیں نیز ان کی تحقیق و تنقیح بھی فرمائی ہے اسی طرح اس منہج کے تحت رائج تفاسیر میں ضعف کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ذیل میں اس منہج کے تحت چند تفاسیر کا اجمالی تذکرہ کیا جارہا ہے۔

**1۔ فتح المنان فی تفسیر القرآن (مولانا عبد الحقؒ)**

یہ تفسیر تفسیر بالماثور کے قبیل میں سے ایک تفسیر ہے جس میں مولانا حقانی صاحب کی اس تفسیر کو محض تفسیر نہیں بلکہ قرآن حکیم کا انسائیکلوپیڈیا کہا جاتا ہے ۔ مولانا حقانی کی ایک خصوصیت یہ بھی بتائی جاتی کہ وہ نہ صرف علوم شرعیہ سے آگاہ وآشنا تھے بلکہ ان کی عصری علوم پر بھی گہری دسترس تھی ۔

یہ تفسیر اردو زبان میں لکھی گئی ہے جو کہ اردو ادب کہ ایک اہم تفسیر مانی جاتی ہے ۔ اسی طرح آپؒ کا منہج اس تفسیر میں یہ رہا ہے کہ آپ شان نزول کو صحیح روایات سے نقل فرماتے ہیں ۔ تفسیر کے ضمن میں منقول کوئی بھی روایت آپ نے صحیح سند کے بغیر قبول نہیں فرمائی

۔ اسی طرح احکام سے متعلق آیا ت میں آپؒ کااسلوب یہ رہا ہے کہ پہلے مسئلہ کے متعلق نصوص کا ذکر فرماتے ہیں اور پھر مجتہدین کے اختلاف اور ان کے دلائل کے متعلق معلومات فراہم کرتے ہیں ۔ قرآن حکیم میں ان مقامات میں جہاں مختلف معنی کا احتمال ہوتا ہے کسی ایک توجیہہ کو جو سب سے قوی ہو کو اختیار فرماتے ہیں ۔ جن آیات سے قرآن حکیم کا بلاغی پہلو کا اظہار ہوتا ہے کو ظاہر فرماتے ہیں ۔

**2۔ معارف القرآن ( مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ)**

(معارف القرآن) کے نام سے ایک تفسیر مفسر قرآن مولانا ادریس کاندھلوی نے لکھی ہے اسے معارف القرآن ادریسی بھی کہا جاتا ہے۔معارف القرآن 1382ھ میں پاکستان سے آٹھ جلدوں میں شائع ہوئی ہے، اس تفسیر کی وجہ تالیف کے متعلق اسی تفسیر کے مقدمہ میں بیان کیا گیا ہے :

> "میرے دل میں خیال آیا کہ ایک ایسی تفسیر لکھی جائے جو مطالب قرآنیہ کی توضیح و تشریح اور ربط آیات کے علاوہ قدرے احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہ وتابعین پر اور بقدر ضرورت لطائف و معارف اور نکات اور مسائل مشکلہ کی تحقیقات اور ملاحدہ اور زنادقہ کی تردید اور ان کے شبہات اور اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہو پھر یہ کہ وہ ترجمہ اور تفسیر سلف صالحین کے مسلک سے ذرہ برابر بھی ہٹا ہوا نہ ہو اور کسی جگہ بھی اپنی رائے اور خیال اور نظریہ کو قرآن کے بہانے سے پیش کرکے مسلمانوں کو دھوکا اور فریب نہ دیا جائے، جیسا کے آج کل آزاد منشوں کا طریقہ ہے کہ قرآن کی تفسیریں لکھ کر اس لیے شائع کر رہے ہیں کہ تاویل اور تحریف کے ذریعے قرآنی تعلیمات کو مغربی تہذیب وتمدن کے مطابق کر دیں اور اپنے حسب منشا قرآن کے معنی گھڑ کر خیالات باطلہ کے نام سے مسلمانوں میں پھیلا یا جائے۔"(4)

مذکورہ بالا اقتباس سے اس تفسیر کے امتیازی خصائص کی وضاحت ہوتی ہے ، آپؒ نے اس تفسیر میں علم الکلام اور عقیدہ کے مسائل کی وضاحت کی ہے یہ بھی اس کتاب کا امتیازی پہلو ہے زبان عالمانہ ہے۔ معارف القرآن محدثانہ انداز کی بہترین تفسیر ہے' متن قرآن کے ساتھ شاہ عبد القادرمحدث دہلوی کا ترجمہ ہے۔ تفسیر میں بیان القرآن کی پیروی کی گئی ہے اور حدیثی' کلامی' فقہی اور تاریخی فوائد کا گراں قدر اضافہ کیا ہے۔

**2۔ تفسیر بالرائے**

برصغیر میں رائج تفسیری رجحانات میں سے ایک رجحان تفسیر بالرائے کا بھی اس رجحان کے تحت بھی تفسیری خدمات انجام دی گئیں ۔ اس رجحان میں دو طرح کی تفاسیر سامنے آئی ایک وہ تفاسیر جو مطلق رائے کے زیر اثر کی گئی ہوں اور دوسری وہ جو ان شرائط کی روشنی میں کی گئی ہو جو علمائے کرام متعین کیے ہیں ۔ اس منہج کے تحت لکھی جانے والی تفاسیر میں (تفسیر القرآن وھو الھدی و الفرقان از سرسید احمد خان ) بھی شامل ہے ۔

**تفسیر القرآن وھو الھدی والفرقان (سر سید احمد خان ):**

(سر سید احمد خان) نے قرآن کے پندرہ پاروں پر مشتمل 7 جلدوں میں ایک تفسیر لکھی جو" تفسیر القرآن وھو الھدی و الفرقان " کے نام سے مشہور ہے ۔ یہ تفسیر اہل علم و عقل کے نزدیک متنازع رہی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس تفسیر میں بہت ساری خوبیاں بھی موجود ہیں ۔ذیل میں اس تفسیر کے چیدہ چیدہ نکات کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے ۔ سرسید کی تفسیر سے متعلق موج کوثر کے مصنف شیخ محمد اکرم مولانا حالی کی رائے نقل کرتے ہوئے کچھ اس طرح رقمطراز ہیں:

> " اگر غور و خوض کیا جائے تو سرسید نے شاید اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ جو صداقتیں اہل اسلام کی تصنیفات میں فرداً فرداً صرف ضبط تحریر میں آئی تھیں ۔ اور اکابر علما ء کے سوا ان سے کسی کو اطلاع نہ تھی ۔ سر سید نے اس کو ایک بار خاص و عام پر علی الاعلان ظاہر کیا ۔ " (5)

اس تفسیر سے متعلق تجدید ڈاٹ کام میں درج ذیل عبارت رقم کی گئی ہے جس سے اس تفسیر کے بنیادی خدوخال کی مکمل وضاحت ہو جاتی ہے :

> "سرسید احمد خان نے 1877ء میں ‘‘تفسیر القرآن وھو الھدیٰ والفرقان’’ کے نام سے قرآن حکیم کی تفسیر لکھنی شروع کی۔ جس کی جلد اول 1880ء میں شائع ہوئی، جب کہ جلد دوم 1882ء میں ، جلد سوم 1885ء میں، جلد چہارم 1888ء میں ، اور جلد خامس 1892ء میں، جلد ششم 1895ء میں شائع ہوئی، سرسید کی زندگی میں چھ جلدیں (سورۃ فاتحہ) سے سورۃ بنی اسرائیل تک شائع ہوئی تھیں کہ 1898ء میں سرسید کے انتقال کا حادثہ فاجعہ پیش آیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے مسودات میں سے (سورۃ کہف)، (سورۃمریم )اور (سورۃ طہ) کی تفسیر دستیاب ہوئی، جو کہ جلد ہفتم کے نام سے شائع ہوئی ہے۔

اس کے بعد متعدد اداروں نے مختلف وقتوں میں اس تفسیر کی اشاعت کی اور اس کےکئی ایڈیشن چھپے ہیں۔ اس وقت ہمارے پیش نظر " سرسید ریسرچ اکیڈیمی " لاہور کا شائع کردہ نسخہ ہے۔ اکیڈیمی نے 2010ء میں (مطبع قاسم شہزاد پرنٹرز لاہور )سے دو جلدوں میں مکمل سات حصے طبع کروائے ہیں۔ جلد اول کے شروع میں سرسید کا اصول تفسیر میں مستقل رسالہ " تحریر فی اصول التفسیر " 1 سے 20 صفحات تک بھی ساتھ میں شائع ہے۔جلد اول میں تین حصے فاتحہ تا اعراف ہیں جب کہ جلد دوم میں چار حصے انفال تا طٰہٰ ہیں۔ تفسیر کے جب ابتدائی حصے شائع ہوئے تو اس پر مختلف اطراف سے تنقیدی خطوط آئے ، اسی طرح کے خطوط میں سے ایک نواب محسن الملک سید مہدی علی خان کا بھی تھا۔ جس کے جواب میں سر سید نے اپنی تفسیر کے لیے بعض اصول لکھے، جو کہ بعد میں "تحریر فی اصول التفسیر " کے نام سے شائع ہوئے۔ ان اصولوں سے سرسید کا عقیدہ بھی واضح ہو جاتا ہے۔ یہ اصول علماء اسلام کے مذہب کے موافق ہیں۔ ان اصولوں پر کسی نے اعتراض نہیں کیا، جہاں تک اختلافات ہیں وہ ان کی تطبیق میں ہیں۔ جیسا کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی نے خلاف حقیقت اور خلاف واقعہ کے اصول کی تطبیق پر اعتراض کرتے ہوئے کہا : " حقیقت اور واقع کے دریافت کرنے کی صورت اس سے بہتر کوئی نہیں کہ خدا تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی طرف رجوع کیا جائے۔"(6)

اس تفسیر میں اس عہد کے حوالے مسلمانوں کی مادی پسماندگی کے پیش نظر سر سید احمد خان نےاس تفسیر میں اس دور کی زمانی رعایت کو مدنظر رکھتے ہوئے حالات پر احکام کا انطباق کرنے پر توجہ مرکوز کی ہے۔ اس تفسیر میں قرآنی حقائق کی جو تفسیر و تعبیر پیش کی وہ جدت طرازی کے عین موافق تھی ۔ جس اس وقت تقاضا ہو رہا تھا اور آپ کی یہ کاوش نیک نیتی

اور خلوص پر مبنی تھی جس سے قرآنی مفاہیم و تعبیرات کو حالات کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کو ایک فکر ی بنیاد میسر آئی ۔ سر سید کی اس تفسیر پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر ظفر حسن سر سید کی تفسیر القرآن کی تحریر کے چند محرکات کا ذکر کیا ہے ۔

" اس فہم کا محرک یہ احساس تھا کہ اب علوم کہیں سے کہیں پہنچ گئے ہیں اور ان نئے علوم کی روشنی میں قرآن شریف کو نئے طریقے سے پڑھنا چاہیے ۔ اس نئی تفسیر میں سر سید کویہ فائدہ بھی نظر آتا تھا کہ اس کے مسلمان مغربی خیالات کو قبول کرکے ترقی کی راہ پر گامزن ہوجائیں گے ۔ دو سرا محرک یہ تھا بعض مغربی مصنف اسلام پر حملہ کررہے تھے اور سر سید نہایت خلوص کے ساتھ ان کا جواب دینا اور اسلام کی مدافعت کرنا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے چاہا کہ اسلام کی حقانیت مغربی مفکر وں کے بنیادی اصولوں کے مطابق کی جائے (7) " ۔

اگر غور کیا جائے تو سر سید احمد خان دو انتہاؤں کے یعنی قدامت پرستانہ خیالات اور جدید سائنس کے نظریات کے مسائل سے نبردآزما تھے اس وجہ سے ان کی سوچ پر ان حالات کا خاص اثر ہوا ۔ اس ضمن میں آپ کےفکر کی عکاسی جناب نسیم عباس احمر تحریر کی ہے :

"سر سید دو انتہاؤں کےمسائل سے دوچار تھے ۔ ایک مذہب اور دوسری سائنس و عقل ۔ ماضی میں جن لوگوں نے سائنسی ترقی کی انہوں نے سرے سے مذہب کو خیر باد کہہ دیا اور دوسری طرف روایت پرست مذہب کے جامد تصور سے لپٹے رہے اور سائنس کی طرف توجہ نہ دی ۔ اب سر سید یہ چاہتے تھے کہ مذہب کو ترک کئے بغیر حالات کے تقاضوں کے مطابق تبدیلی روبہ عمل لائی جائے ۔ یہی بات ان کے تصور مذہب اور نئے علم الکلام کی اساس ہے۔"(8)

مندرجہ بالا اقتباس سے سرسید کے مذہبی تصورات کی عکاسی ہوتی ہے اور ان عوامل کا پتہ چلتا ہے جس کی بنا پر سرسید نے خاص طرز فکر اپنایا ۔ وہ محرکات جدید سائنس کے تقاضوں کے ساتھ مذہب کو ہم آہنگ کرنا جس کی بنا پر انہوں نے بعض تشبیہات قرآن کی عقلی توجیہات کی ۔ آپ نے سائنسی ترقی اور عقلیات کی بنا پر ان حالات میں یہ اصول وضع کیا کہ "عقل اور نقل میں کوئی تفاوت نہیں اور اس ضمن میں تجدید ڈاٹ کام میں سر سید احمد خان کے الفاظ کو بحوالہ تحریر فی اصول تفسیر کے درج کیا گیا ہے جس کا ذیل میں ذکر کرنا بے جانہ ہوگا:

> ” (پھر میں نے اپنی علمی استعداد کے خود اللہ کے کلام پر غور کی اوریہ چاہا کہ قرآن ہی سے سمجھنا چاہئے ، کہ اس کا نظم کن اصولوں پر واقع ہوا ہے اور جہاں تک میری طاقت میں تھا میں نے سمجھا اور میں نے پایا کہ جو اصول خود قرآن مجیدسے نکلتے ہیں ان کے مطابق کوئی مخالفت علوم جدیدہ میں نہ اسلام سے ہے اور نہ قرآن سے)۔"(9)

سیر سید احمد خان نے مذکورہ بالا اقتباس میں بیان ہونے والے ان کے وضع کر دہ اصول کے تحت آیات قرآن کو تجرباتی سائنس کے ساتھ مطابقت قائم کرنے کی کوشش کی جس کی وجہ سے قرآن میں کئی مقامات پر خطا بھی سرزد ہوئی ۔

اس ضمن میں پروفیسر عمر دین صاحب نے اپنی کتاب سرسید احمد خان کا نیا مذہبی طرز فکر میں قرآن عظیم الشان اور جدید سائنس و عقلیات سے متعلق سرسید احمد خان کے تصور کو درج ذیل الفاظ میں تحریر کیا ہے :

> ”اس کے الفاظ ایسے اعجاز سے نازل ہوئے ہیں کہ جہاں تک ہمارے علوم کو ترقی ہوتی جاویگی اور اس ترقی یافتہ علوم کے لحاظ سے ہم اس پر غور کرینگے

تو معلوم ہوگا کہ اس کے الفاظ اس لحاظ سے بھی مطابق حقیقت ہیں اور ہم کو ثابت ہو جاویگا کہ جو معنی ہم نے پہلے قرار دیے تھے اور اب غلط ثابت ہوئے وہ ہمارے علم کا قصور تھا نہ الفاظ قرآن کا۔ پس اگر ہمارے علوم کو آیندہ زمانہ میں ترقی ہو جاوے کہ اِس وقت کے امورِ محققہ کی غلطی ثابت ہوتو ہم پھر قرآن مجیدپر رجوع کرینگے اور اس کو ضرور مطابق حقیقت پاوینگے اور ہم کو معلوم ہو گا کہ جو معنی ہم نے پہلے قرار دیے تھے' وہ ہمارے علم کا نقصان ہے۔ قرآن مجید ہر ایک نقصان سے بری تھا۔"(10)

اس فکر اور منہج کے تحت جو سر سید احمد خان نے اپنایا قرآن حکیم میں کئی نصوص کی ایسی تاویل کی جو جن پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اور اس کے تفہیم میں کسی قسم کا ابہام نہیں ، جن میں ایک مسئلہ وجود ملائکہ کا بھی ہے ۔

**صفات و ذات باری تعالیٰ**

سر سید اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات و صفات سے متعلق عقل کی محدودیت کے قائل ہیں ۔ان کی سوچ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی ذات انسانی سوچ کی سرحدات سے ماوراء ہے کائنات میں بکھرے عجائبات اور ان کی یافت سے اللہ کی ذات اور اس کی صفات واضح ہوتی رہتی ہیں ۔ اس حوالے سے پروفیسر عماد الدین نے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے متعلق سر سید احمد خان کی سوچ اس طرح لکھا ہے :

"سر سید فلاسفہ اسلام یا معتزلہ یا کسی خاص گروہ کے مقلد نہیں اس کا ثبوت صفات باری کے متعلق ان کے عقائد میں بڑی وضاحت سے ملتا ہے ۔ وہ معتزلہ کی طرح صفات باری تعالیٰ کو عین ذات مانتے ہیں ۔"(11)

سر سید اللہ تعالیٰ کی ہستی کی پہچان کے لیے فطرت اور عقل کے قائل تو نظر آتے ہیں۔ لیکن اس کی حقیقت اور ماہیت کی پہچان کے لیے ان ذرائع کو محدود سمجھتے ہیں ۔ جدید مادہ پرستانہ رجحانات میں سرسید کی اس سوچ پر علم الکلام کی نئی عمارت تعمیر ہوسکتی ہے کہ جس میں ملاحدہ کے اعتراضات کا جواب عقلی بنیادوں پر دیا جاسکتا ہے ۔

**فرشتوں کا وجود :**

سرسید علیحدہ سے فرشتوں کے وجود کا انکار کرتے ہوئے، آیات قرآنیہ کی تاویل کرتے ہیں۔ اس ضمن میں سر سید احمد خان درج ذیل آیت

قرآن پیش کرکے اس کی تاویل کرتے ہیں ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

**"وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ"(12)**

" اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہاتھا کہ "میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والاہوں۔" فرشتوں نے کہا : " کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں ، جو اس کے انتظام کو بگاڑ دے گا اور خونریزیاں کرے گا ؟ آپ کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح اور آپ کے لیے تقدیس تو ہم کر ہی رہے ہیں ۔ "

مذکورہ بالا آیت پر سر سید احمد خان نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جس کا ذکر ذیل میں کیا جارہا ہے :

" ـــ قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے ثابت نہیں ، بلکہ اس کے خلاف پایا جاتا ہے۔ ـــــــــ ان باریک باتوں پر غور کرنے سے اور اس بات کے سمجھنے سے کہ خدا تعالیٰ جو اپنے جاہ و جلال اور اپنی قدرت اور اپنے افعال کو فرشتوں سے نسبت کرتا ہے تو جن

فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی اصلی وجود نہیں ہو سکتا ، بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور ان قواے جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کیے ہیں ۔ ملک یا ملائکہ کہا ہے۔ جن میں سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے، پہاڑوں کی صلابت ، پانی کی رقت، درختوں کی قوت نمو، برق کی قوت جذب ودفع، غرضکہ تمام قوٰے جن سے مخلوقات موجود ہوئی ہیں، اور جو مخلوقات میں ہیں، وہی ملائک وملائکہ ہیں، جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے، انسان ایک مجموعہ قواے ملکوتی اور قواے بہیمی کا ہے، اور ان دونوں قوتوں کی بے انتہا ذریات ہیں، جو ہر ایک قسم کی نیکی و بدی میں ظاہر ہوتی ہیں، اور وہی انسان کے فرشتے اور ان کی ذریات ، اور وہی انسان کے شیطان اور اس کی ذریات ہیں۔" (13)

سر سید کے نزدیک ملائکہ اور شیطان الگ وجود نہیں رکھتے بلکہ یہ انسان کے اندر مخفی خیر و شر کی مخفی قوتیں ہیں ۔ سرسید کا عقیدہ ملائکہ اور شیطان ، ابن عربی اور شیخ صدر الدین کے نظریات کی توسیع ہے ۔ اس ضمن میں حبیب اللہ غضنفر نے سر سید احمد خان کی سوچ پر تنقید کی ہے جس کا ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے :

" یہ درست ہے کہ ملائکہ اور شیطان کے وجود خارجی کا انسان نے مشاہدہ نہیں کیا لہٰذا یہ کہنا کہ جسم متخیر رکھتے ہیں، ان کے پر کس قسم کےہیں اور کتنے ہیں ، اس کے متعلق کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا ۔ مگر احتیاط کا مسلک یہی ہے کہ وہیں سکوت کیا جاتا ہے جہاں یہ کہا ہے برتر مخلوق ہونے سے انکار کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔"(14)

**وجود جنات و شیاطین:**

سر سید احمد خان جنات کے وجود کو کوئی الگ وجود نہیں مانتے بلکہ وہ جنات کو انسان ہی تصورکرتے ہیں اور جنات سے مراد جنگلی اور پہاڑی لوگ لیتے ہیں چنانچہ اس ضمن میں آپ قرآن کی نص سے استدلال قائم کرتے ہیں جس کا حوالہ نیچے درج کیا جارہا ہے :

"(يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَيُنْذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا قَالُوا شَهِدْنَا عَلَى أَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ)"-(15)

"اے گروہ انس و جن ، کیا تمہارے پاس خود تم ہی میں سے وہ پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو میری آیات سناتے اور اس دن کے انجام سے ڈراتے تھے " ؟ وہ کہیں گے "ہاں ، ہم اپنے خلاف خود ہی گواہی دیتے ہیں ۔" دنیا کی زندگی نے ان لوگوں کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے ، مگر اس وقت وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے ۔ "

مذکورہ بالا آیات کی تفسیر میں جنات کی تاویل کرتے ہوئے سرسید احمد خان لکھتے ہیں :

"ان آیتوں میں ''جن'' کا لفظ آیا ہے' اس سے وہ پہاڑی اور جنگلی آدمی مراد ہے' جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں بیت المقدس بنانے کا کام کرتے تھے اور جن پر بسبب وحشی اور جنگلی ہونے کے جو انسانوں سے جنگلوں میں چھپے رہتے تھے اور نیز بسبب قوی اور طاقتور اور محنتی ہونے کے ''جن'' کا اطلاق ہوا ہے پس اس سے وہ جن مراد نہیں جن کو مشرکین نے اپنے خیال میں ایک مخلوق مع ان اوصاف کے جو ان کے ساتھ منسوب کئے ہیں' مانا ہے اور جن پر مسلمان بھی یقین کرتے ہیں۔''(16)

مذکورہ بالا عبارت سےیہ معلوم ہوتا ہے کہ سر سید احمد خان نے جنات کے متعلق تاویل سے کام لیا ہے ۔

**تصور وحی :**

سر سید وحی و الہام میں کسی طرح کے فرق کے قائل نہیں ، اسی طرح وہ جانوروں اور پرندوں میں بھی وحی والہام کے قائم ہیں ۔ وہ نبی کی وحی کو اخلاقی و روحانی اور انسانی اقدار اور نبی کے اور روح کے ساتھ خاص کرتے ہیں ۔ وہ وحی کی کتابی شکل میں نزول کے قائل نہیں بلکہ وقت و حالات کے تقاضوں کے موافق وحی کے بتدریج نزول کے قائل ہیں ۔

جمال خواجہ صاحب سرسید کے نظریہ وحی کے متعلق اپنی کتاب " سرسید کی اسلامی بصیرت کا تنقیدی جائزہ " میں کچھ یوں رقمطراز ہیں :

> " منکرین معجزہ کا استدلال یوں ہوتا ہے کہ منکروں کو تصدیق نصیب نہیں ہوئی جس طرح معتزلہ نے تاویلات کی تھیں یہ بھی تاویلات کرتے ہیں اور یہ سراسر ملمع کاری ہے ۔ سید صاحب کی ساری بحث اس آیت پر ہے ۔ وما منعنا الخ یعنی ہم اس لئے نشانیاں نہیں بھیجتے کہ ان کی پہلی امتوں نے جھٹلادیا تھا اگر اس مقام پر قرآن کی آیتیں مقصود ہوں تو سید صاحب کا قول کہ آیات کا اطلاق معجزات پر نہیں ہوتا ، غلط ہوگا علاوہ ازیں اگلے انبیاء سے صدور معجزات کی سند مل جائے گی ۔ رہی یہ بات کہ آنحضر ت سے ثبوت معجزات کو معارض ہے ۔ سو یہ غلط ہے کیونکہ اس میں کہیں نہیں کہ آپ سے کوئی معجزہ صادر نہیں ہوا یا آئندہ نہ ہوگا۔ بلکہ وہ معجزات مراد ہیں جن کو کفارمکہ محض عناد سے طلب کرتے تھے۔" (17)

سرسید چونکہ ملائکہ کے وجود کے قائل نہیں ہیں اس لیے ان کا وحی سے متعلق تصور بھی اسلاف سے بالکل مختلف ہے۔ جس کی وضاحت ذیل میں کی جارہی ہے :

" خدا اور پیغمبر میں بجز اس ملکہ نبوت کے جس نام کو ناموس اکبر اور زبان شرع میں جبرئیل کہتے اور کوئی ایلچی پیغام پہنچانے والا نہیں ہوتا، اس کا دل ہی وہ آئینہ ہوتا ہے جس میں تجلیات ربانی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے، اس کا دل ہی وہ ایلچی ہوتا ہے جو خدا پاس پیغام لے جاتا ہے اور خدا کا پیغام لے کر آتا ہے ، وہ خود ہی وہ مجسم چیز ہوتا ہے جس میں سے خدا کے کلام کی آوازیں نکلتی ہیں، وہ خود ہی وہ کان ہوتا ہے جو خدا کے بیحرف وبے صوت کلام کو سنتا ہے ،خود اسی کے دل سے فوارہ کی مانند وحی اٹھتی ہے اور خود اسی پر نازل ہوتی ہے، اس کا عکس اس کے دل پر پڑتا ہے، جس کو وہ خود ہی الہام کہتا ہے، اس کو کوئی نہیں بلواتا، بلکہ وہ خود بولتا اور خود ہی کہتا ہے، وما ینطق عن الھوای ان ھو الا وحی یوحی، "وحی وہ چیز ہے جس کو قلب نبوت پر بسبب اسی فطرت نبوت کے مبداء فیاض نے نقش کیا ہے ۔ وہی انتقاش قلبی کبھی مثل ایک بولنے والی آواز کے نہیں ظاہری کانوں سے سنائی دیتا ہے، اور کبھی وہی نقش قلبی دوسرے بولنے والے کی صورت میں دکھائی دیتا ہے، مگر بجز اپنے آپ کے نہ وہاں کوئی آواز ہے اور نہ بولنے والا، خدا نے بہت سی جگہ قرآن میں جبرئیل کا نام لیا ہے ، مگر سورۃ بقرۃ میں اس کی ماہیت بتا دی ہے، جہاں فرمایا ہے کہ " جبرئیل نے تیرے دل میں قرآن کو خدا کے حکم سے ڈالا ہے" دل پر اترنے والی ، یا دل میں ڈالنے والی ، وہی چیز ہوتی ہے جو خود انسان کی فطرت میں ہوتی ہے، نہ کوئی دوسری چیز جو فطرت سے خارج اور خود اس کی خلقت

سے جس کے دل پر ڈالی گئی ہے جداگانہ ہو، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسی ملکہ نبوت کا جو خدا نے انبیاء میں پیدا کیا ہے جبرئیل نام ہے۔"(18)

**تاویل کا اسلوب :**

تفسیر و تاویل سے متعلق سر سید کے اپنے وضع کر دہ اصول ہیں ۔ جس آیت میں بھی سر سید نے ان اصولوں کے خلاف ورزی ہوتے دیکھی وہاں تاویل کر دی ۔ ذیل میں ان آیات کا جن میں سر سید احمد خان نے تاویل کی ہے ذکر کیا جارہا ہے ، ارشاد باری تعالیٰ ہے :

**"وَالْمَلَكُ عَلَى أَرْجَائِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ"(19)**

"فرشتے اس کے اطراف و جوانب میں ہوں گے اور آٹھ فرشتے اس روز تیرے رب کا عرش اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے ۔ "

آگے چل کر قرآن مجید میں اس ضمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

**"الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ"(20)**

"عرش الٰہی کے حامل فرشتے اور وہ جو عرش کے گردو پیش حاضر رہتے ہیں ، سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کررہے ہیں ۔ وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان لانے والوں کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں ، وہ کہتے ہیں: " اے ہمارے رب ، تو اپنی رحمت اور اپنے علم کے ساتھ ہر چیز پر چھایا ہو اہے ، پس معاف کر دے اور عذاب دوزخ سے بچالے ان لوگوں کو جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیر ا راستہ اختیار کر لیا ہے ۔ "

مذکورہ بالا آیات کو اگر سر سید احمد خان کی تفسیر میں دیکھا جائے تو اس کی تاویل درج ذیل الفاظ میں بیان کی گئی ہے :

"اس کے بعد خدا نے فرمایا 'الذین یحملون العرش' کفار کے مقابلہ میں ایمان والے تھے پس صاف ظاہر ہے کہ 'الذین' سے اہل ایمان انسان مراد ہیں نہ فرشتے، عرش کے معنی سلطنت کے ہم ابھی ثابت کر چکےہیں پس آیت کے معنی صاف ظاہر ہیں کہ جو لوگ خدا کی سلطنت کو اٹھائے ہوئے ہیں یعنی وہ جو 'انعمت علیہم ' میں داخل ہیں اور جو اس کے قریب ہیں یعنی صلحاو خیار امت پاکیزگی سے اللہ کی تعریف کرتے ہیں اور اس کے بعد ایمان لاتے ہیں اور معافی چاہتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہیں ، الیٰ آخرہ ۔ اس کے بعد پھر کافروں کا ذکر کیا ہے پس قرآن مجید میں تو اس مقام پر فرشتوں کا پتہ بھی نہیں اور نہ الذین کے وہ مشار الیہ ہیں۔ "(21)

جو امور جدید سائنس کی دسترس سے باہر تھے ان تمام کی سر سید احمد خان نے تاویل کی جن میں مندرجہ ذیل امور شامل ہیں : ( آسمان کا عام تصور، جنات، شیاطین، واقعہ معراج ، اور جملہ قصص قرآنیہ ، غزوات میں مسلمانوں کی مدد کے لیے فرشتوں کا اترنا، واقعہ معراج، حضرت عیسی علیہ السلام کا بغیر والد کے پید ا ہونا، حضرت موسی کا مع قوم کے دریا کا پار کرنااور دیگر قصص انبیاء اور معجزات انبیاء، تمام قصص) کی تاویلات کی ہیں ۔ یہاں انہوں نے صریح نصوص قرآنیہ کو استعارہ کی زبان دی اور اسی کے تحت تفسیر کی ہے ۔

سر سید کے بعد ان کے اس طرز تفسیر کو امت مسلمہ میں قبول عام حاصل نہیں ہوسکا، ان کی خدمات قومی کو امت نے بنظر احسان دیکھا اور ان کی قدر کی مگر ان کے تفردات دینیہ کو امت نے رد کر دیا۔

**3۔ فقہی تفاسیر**

**1۔ بیان القرآن( مولانا اشرف علی تھانویؒ )**

بیان القرآن فقہی تفاسیر کے تحت لکھی گئی تفسیر ہے جو کہ اس اسلوب میں نہایت ہی عمدہ تفسیر اور گوناگوں خصوصیات کی حامل ہے ۔ تفسیر بیان القرآن ی چھ سال کے عرصہ میں مکمل ہوئی اور پہلی بار 1326ھ میں منظر عام پر آئی ۔

1۔ قرآن مجید کا نسبتاً آسان اور سلیس ترجمہ کیا ہے جو بامحاورہ ہونے کے باوجود الفاظِ قرآنی سے بھی پوری طرح ہم آہنگ ہے،

2۔ اس تفسیرمیں ترجمہ میں خالص محاورات استعمال نہیں کیے گئے ہیں؛ کیونکہ محاورات ہرجگہ ومقام کے الگ الگ ہوتے ہیں، یہ ترجمہ شاہ رفیع الدین کے ترجمہ کے قریب ہے،

3۔ نفس ترجمہ کے علاوہ جس مضمون پر توضیح کی ضرورت تھی یاکوئی شبہ خود قرآن کے مضمون سے بظاہر پیدا ہوتا ہے اس جگہ" ف"بناکر اس کی تحقیق ووضاحت کردی گئی ہے، لطائف ونکات یاطویل وعریض حکایات وفضائل اور فقہی احکام کی تفصیلات سے تفسیر کو طویل نہیں کیا گیا ہے،جس آیت کی تفسیر میں بہت سے اقوال مفسرین کے ہیں، ان میں جس کو ترجیح معلوم ہوئی صرف اس کو نقل کیا گیا ہے،

4۔ خلافیات کی تفسیر میں صرف مذہب حنفی کو لیا گیا ہے اور دوسرے مذاہب بشرط ضرورت حاشیہ میں لکھ دیے گئے ہیں،

5۔ نفعِ عوام کے ساتھ افادہ خواص کا خیال کرتے ہوئے ایک حاشیہ عربی میں بڑھادیا گیا ہے، جس میں غیر مشہور لغات، وجوہ بلاغت، مغلق تراکیب، خفی استنباط، فقہیات وکلامیات اور اسباب نزول وغیرہ پر گفتگو کی گئی ہے۔

**2۔ تفسیر مظہری (قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ)**

قاضی صاحبؒ اپنے عہد کے جید علماء میں سے ایک ہیں ۔ آپ کی تفسیر "تفسیر مظہری " کے نام سے مشہور ہے جو کہ عربی زبان میں لکھی گئی ہے ۔ یہ سات جلدوں پر مشتمل ہے ۔ اس تفسیر کا شمار فقہی تفاسیر میں ہوتا ہے علمائے کرام علمی مسائل کے آپ کی تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ تفسیر مظہر ی کے متعلق مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب کی رائے کو ڈاکٹر محمد طاہر مصطفیٰ نے اپنی کتاب میں ان الفاظ کے ساتھ تحریر کیا ہے :

" یہ تفسیر بہت سادہ اور واضح پیرائے میں ہے ۔ اختسار کے ساتھ آیات قرآنی کی تشریح معلوم کرنے کے لیے بہت مفید ہے ۔ انہوں نے الفاظ قرآن کی تشریح کے ساتھ ساتھ روایات کو بھی کافی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اور دوسری تفاسیر کے مقابلہ میں زیادہ چھان پھٹک کرکے روایات لینے کی کوشش کی ہے ۔ " (22)

تفسیر مظہری جو فقہی منہج سے متعلق تفسیر ہے اور اس حوالے سے جناب ڈاکٹر صاحب نے بڑی ہی عمدہ تصریح فرمائی ہے ۔ جس سے نہ صرف اس تفسیر کے اسلوب پر روشنی پڑتی ہے بلکہ اس کے انداز بیان کا بھی پتہ چلتا ہے ۔

**حوالہ جات**

1۔ ملفوظات عزیزی ، ص 40۔

2۔ الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، ص 139۔

3۔ انفاس العارفین ، ص 194۔

4۔ کاندھلوی، مولانا محمد ادریس ، معارف القرآن ، (شہداد پور: مکتبہ دار العلوم حسینیہ ،1422ھ)، ج1، ص 18۔

5۔ شیخ محمد اکرم ، موج کوثر ، (لاہور : ادارہ ثقافت اسلامیہ، 2014ء) ، ص 160۔

6. http://tajdid.irst.in/2017/11/02/ سرسید-احمد-کی-تفسیر-قرآن /

7۔ ڈاکٹر ظفر حسن ، سر سید اور حالی کا نظریہ فطرت ، ( لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ ، 1990ء) ، ص 114۔

8۔ نعیم عباس احمر ، سر سید شناسی کے چند اہم زاویے، (لاہور : ادارہ ثقافت اسلامیہ، 2011ء) ، ص 26۔

9. http://tajdid.irst.in/2017/11/02/ سرسید-احمد-کی-تفسیر-قرآن /

10۔ پروفیسر عمر دین ، سر سید احمد خان کا نیا مذہبی طرز فکر، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ ، 1995ء) ، ص 94۔

11۔ ایضاً ، ص2۔

12۔ البقرۃ 2: 30۔

13. http://tajdid.irst.in/2017/11/02/ سرسید-احمد-کی-تفسیر-قرآن /

14۔ حبیب اللہ غضنفر ، سر سید کا علم الکلام ، (برگ گل ، سرسید نمبر 155، 1954ء) ، ص125۔

15۔ الانعام 6: 130۔

16. http://tajdid.irst.in/2017/11/02/ سرسید-احمد-کی-تفسیر-قرآن /

17۔ حبیب اللہ غضنفر ، سر سید کا علم الکلام ، محولہ بالا ، ص125۔

18. http://tajdid.irst.in/2017/11/02/ سرسید-احمد-کی-تفسیر-قرآن /

19۔ الحاقۃ 69: 17۔

20۔ غافر 40: 7۔

21. http://tajdid.irst.in/2017/11/02/ سرسید-احمد-کی-تفسیر-قرآن /

22۔ مصطفیٰ ، ڈاکٹر محمد طاہر ، تاریخ تفسیر و اصول تفسیر ، (لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، 2013ء ) ، ص160۔